حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر اور اولوالعزم رسولوں میں سے تھے۔ آپ آدم ثانی کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بعض علماء کے اقوال کے مطابق آپ کی ولادت ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی۔ بعض احادیث کے مطابق آدم ونوح کے درمیان دس صدیوں یا دس نسلوں کا فاصلہ ہے۔ جب کہ بعض احادیث میں "دس قرن" کے الفاظ آئے ہیں۔ قرن سے اگر مراد نسل لی جائے تو چوں کہ اس زمانہ میں ایک نسل کئی سو سال زندہ رہتی تھی اس لئے یہ فاصلہ بڑھ کر ہزاروں سالوں پر محیط ہو جاتا ہے۔ (اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے)

قوم نوح میں بت پرستی کا آغاز: قرآن میں قوم نوح کے بتوں کے نام مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَالُوا۟ لَا تَذَرُنَّ ءَالِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ ﴾ (نوح: ٢٣)

ترجمہ: انھوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو، اور نہ چھوڑو ود، اور سواع کو، اور نہ یغوث ویعوق اور نسر کو۔

بت پرستی کی ابتداء حضرت نوح کی قوم سے ہوئی۔ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر یہ اس قوم کے صالحین کے نام ہیں۔ یہ اللہ والے بزرگ تھے۔ جب ان کا انتقال ہوتا تو پوری قوم غمگین ہو جاتی۔ شیطان آتا اور کہتا کیوں نہ ان کی تصویریں بنا کر ان کی یادگار قائم کی جائے۔ لوگوں کو یہ رائے پسند آتی اور اس طرح لوگ ان کا ذکر خیر کرتے۔ پھر طویل زمانے کے بعد جب ان کی دوسری نسلیں آتیں تو وہ حقیقت سے بے خبر صرف رسم ورواج کے طور پر ان تصویروں سے عقیدت رکھتے اور ان یادگاروں کو مستحکم کرنے کے لئے شیطان ان سے ان کے مجسمے بنواتا۔ اس طرح آہستہ آہستہ ان بتوں سے خدا کی صفات منسوب کر دیتے اور یہ عقیدہ رکھنے لگتے کہ انہیں سے ہمیں روزی ملتی ہے۔ یہی داتا ہیں۔ انہیں کے طفیل بارش ہوتی ہے۔ اور پھر ان کو خوش کرنے اور ان کی ناراضگی سے بچنے کے لئے بے شمار مشرکانہ اعمال کرنے لگتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت: حضرت نوح نے جب اپنی قوم کی بت پرستی دیکھی تو ایک اللہ کی عبادت اور بندگی کی دعوت دینی شروع کی۔ قرآن کے الفاظ میں: ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦ فَقَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ إِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾﴾ (الأعراف: ٥٩) ترجمہ: اے برادران قوم، اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں تمہارے حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ حضرت نوح کی دعوت پر چند غریب اور کمزور لوگ ایمان لائے، جب کہ قوم کے سربرآوردہ لوگوں اور مالدار طبقہ نے آپ کا مذاق اڑایا اور آپ کی دعوت کا مستقل انکار کرتے رہے۔ قرآن نے انہیں یوں نقل کیا ہے: ﴿نَرَىٰكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَىٰكَ ٱتَّبَعَكَ إِلَّا ٱلَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِىَ ٱلرَّأْىِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَٰذِبِينَ ﴿٢٧﴾﴾ (ھود: ٢٧) ترجمہ: ہماری نظر میں تو تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ بس ایک انسان ہو ہم جیسے۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے یہاں اراذل تھے بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کرلی ہے۔ اور ہم کوئی چیز بھی ایسی نہیں پاتے جس میں تم لوگ ہم سے کچھ بڑھے ہوئے ہو، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔

نوح علیہ السلام اپنی قوم کے ان تکلیف دہ رویوں سے قطعی مایوس نہ ہوئے۔ بلکہ دن رات انہیں اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ ان پر آپ نے ہر طریقہ آزمایا۔ الگ الگ مل کر خاموشی سے سمجھایا۔ اجتماعی طور پر اعلانیہ دعوت دی۔ نرمی اور محبت سے اللہ کی طرف بلایا۔ آخرت کے عذاب سے ڈراتے ہوئے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی تلقین کی۔ لیکن قوم ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آپ جس قدر انہیں اللہ کی بندگی کی طرف بلاتے وہ اپنے کفر میں اور زیادہ دھنستے جاتے۔ قوم کے رؤسا نے ایک دن حضرت نوح سے کہا کہ ان فقیروں اور ذلیلوں کے ساتھ ہم نہیں بیٹھ سکتے ان کو اپنے پاس سے ہٹادو تو ہم تمہارے پاس آئیں۔ لیکن حضرت نوح نے ان کے اس متکبرانہ مطالبہ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ اللہ پر ایمان لانے والے ہیں، میں تم جاہلوں کے لئے ان کو خود سے الگ کر کے اللہ کی جناب میں گنہ گار نہیں ہو سکتا۔ روساء قوم یہ جواب سن کر غصہ سے پھٹ پڑے اور وہ کہا جسے قرآن نے یوں نقل کیا ہے: ﴿قَالَ

ٱلْمَلَأُ مِن قَوْمِهِۦٓ إِنَّا لَنَرَىٰكَ فِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٦٠﴾ ﴾ (الأعراف: ٦٠) ترجمہ: ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔ اس کا جو جواب حضرت نوح نے اپنی قوم کے روساء کو دیا اسے بھی قرآن نے نقل کیا ہے: ﴿ قَالَ يَٰقَوْمِ لَيْسَ بِى ضَلَٰلَةٌ وَلَٰكِنِّى رَسُولٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٦١﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَٰلَٰتِ رَبِّى وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٢﴾ ﴾ (الأعراف: ٦١ – ٦٢) ترجمہ: نوح نے کہا اے برادران قوم میں کسی گمراہی میں نہیں پڑا ہوں بلکہ میں رب العالمین کا رسول ہوں، تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، تمہارا خیر خواہ ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔

انہیں حالات میں حضرت نوح دعوت دیتے رہے۔ ایک دو دن نہیں سالوں بلکہ ساڑھے نو سو سال تک لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ ادھر لوگوں کا یہ حال ہو گیا کہ آپ جب کوئی بات کہتے تو لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے۔ جب آپ کسی کے پاس جاتے تو وہ کپڑے سے اپنا چہرہ ڈھک لیتا کہ مبادا کہیں پہچان نہ لیں حتٰی کہ مرنے والا اپنے چھوٹوں کو وصیت کر جاتا کہ میرے بعد نوح کی باتیں ہر گز نہ سننا اور نہ ہی ان پر ایمان لانا۔ بالآخر آپ کی قوم نے عذاب کا مطالبہ کر دیا جسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿ قَالُوا۟ يَٰنُوحُ قَدْ جَٰدَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَٰلَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿٣٢﴾ ﴾ (هود: ٣٢) ترجمہ: آخر کار ان لوگوں نے کہا کہ "اے نوح، تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت کر لیا۔ اب تو بس وہ عذاب لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر سچے ہو۔"

نوح علیہ السلام نے انہیں اس جسارت پر تنبیہ فرمائی اور کہا کہ عذاب لانا میرے بس میں نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے مگر ہاں جان لو کہ جب عذاب آجائے گا تو تم اسے ٹال نہ سکو گے۔ نوح علیہ السلام نے قوم کی حالت دیکھ کر اللہ سے شکایت کی کہ بار الٰہا! میں نے ہر کوشش کر کے دیکھ لیا یہ مجھے جھٹلاتے چلے جا رہے ہیں۔ تو ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے فرمایا: ﴿ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ ءَامَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا۟ يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ ﴾ (هود: ٣٦) ترجمہ: تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے، بس وہ لا چکے اب کوئی ماننے والا نہیں ہے۔ ان کے کرتوتوں

پر غم کھانا چھوڑو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو تسلی دی ہے اور قوم کے انتہائی تکلیف دہ رویہ پر غم نہ کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے بتایا ہے کہ جن کو ایمان لانا تھا وہ لا چکے اب ان کے علاوہ کوئی ایمان نہ لائے گا۔ یہ اشارہ تھا کہ اب اس قوم میں کوئی خیر نہیں۔ عنقریب ان کا کام تمام کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جب حضرت نوح ساڑھے نو سو سال کی انتہک جدوجہد کے بعد اتمام حجت فرما چکے اور یہ یقین ہو گیا کہ اب ان پر مزید محنت بیکار ہے تو ان کے حق میں ان الفاظ میں بد دعا فرمائی: ﴿ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى ٱلْأَرْضِ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا۟ عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوٓا۟ إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ ﴾ (نوح: ٢٦ – ٢٧)

ترجمہ: میرے رب ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہو گا بدکار اور سخت کافر ہی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی بد دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ دیکھو عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس میں وہ سارے لوگ ہلاک کر دیئے جائیں گے جو اہل ایمان میں سے نہیں ہیں لہذا عذاب دیکھ کر تم ان میں سے کسی کی سفارش نہ کرنا۔ اب تم ہماری ہدایت کے مطابق ایک کشتی بناؤ جس کے ذریعہ ہم اہل ایمان کو بچا لیں گے۔

چنانچہ حکم خداوندی کے مطابق آپ نے کشتی بنانی شروع کی۔ عذاب الٰہی کی مستحق قوم کو حضرت نوح کا مذاق اڑانے کے لئے ایک ہتھیار اور مل گیا۔ وہ آپ کو کشتی بناتے دیکھ کر کہتے کہ یہ لو! نہ دریا نہ سمندر ،خشک ریت میں کشتی چلائی جائے گی۔ آپؑ ان کی زیادتیوں پر صبر کر کے کشتی بناتے رہے اور جب طوفان کا وقت قریب آ لگا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمام اہل ایمان کو اس میں سوار کر لو اور ہر جاندار کے ایک ایک جوڑے (نر اور مادہ) کو بھی سوار کر لو۔ طوفان کس طرح آیا اس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے یوں کھینچا ہے:

﴿ فَفَتَحْنَآ أَبْوَٰبَ ٱلسَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَفَجَّرْنَا ٱلْأَرْضَ عُيُونًا فَٱلْتَقَى ٱلْمَآءُ عَلَىٰٓ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ ﴾ (القمر: ١١ – ١٢) ترجمہ: تب ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین کو پھاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا اور یہ سارا پانی اس کام کے کرنے کے لئے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا۔ آسمان سے زور دار مسلسل بارش ہوئی اور زمین پھٹ کر چشمہ بن گئی۔ آناً فاناً ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ جس میں قوم

ڈوبنے لگی۔ پانی اس قدر زیادہ تھا کہ اس کی موجیں پہاڑ کی طرح اونچی اونچی تھیں۔ لوگ پہاڑوں کی طرف بھاگے۔ انہیں یہ خیال تھا کہ پانی پہاڑوں تک نہ پہنچ سکے گا۔ لیکن یہ عام طوفان نہ تھا۔ یہ اللہ کا عذاب تھا ۔ دیکھتے دیکھتے پہاڑ غرق ہو گئے۔ اسی موقع پر حضرت نوح کو ان کا کافر بیٹا پانی میں گھرا ہوا نظر آیا۔ حضرت نوح نے کہا کہ آؤ بیٹا کشتی میں بیٹھ جاؤ اور کفار کا ساتھ چھوڑ دو مگر واہ رے وفاداری بشرط استواری، اس ہیبت ناک طوفان میں بھی اس کی آنکھیں نہ کھل سکیں وہ بولا: میں کسی پہاڑ پر چڑھ کر پانی سے بچ جاؤں گا لیکن آپ کے پاس نہ آؤں گا نہ ایمان لاؤں گا۔ حضرت نوح نے کہا: بیٹا آج اللہ کے عذاب سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی ہے کہ دفعۃً ایک موج آئی اور وہ غرق ہو کر بے نام و نشان ہو گیا ۔ اللہ کے حکم سے طوفان ختم ہوا۔ قرآن میں ہے: ﴿ وَقِيلَ يَٰٓأَرۡضُ ٱبۡلَعِي مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقۡلِعِي وَغِيضَ ٱلۡمَآءُ وَقُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ وَٱسۡتَوَتۡ عَلَى ٱلۡجُودِيِّۖ وَقِيلَ بُعۡدٗا لِّلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤٤﴾ ﴾ (ھود: ٤٤) ترجمہ: حکم ہوا اے زمین! اپنا سارا پانی نگل جا اور اے آسمان! رک جا۔ چنانچہ پانی زمین میں بیٹھ گیا، فیصلہ چکا دیا گیا، کشتی جودی پر ٹک گئی، اور کہہ دیا گیا کہ دور ہوئی ظالموں کی قوم۔ طوفان کے بعد نوح کی کشتی کوہ جودی پر جا کر رکی اور اللہ کے حکم سے حضرت نوح اور ان کے اصحاب کشتی سے اترے اور زندگی از سر نو شروع ہوئی۔

حقائق و معارف:

* انسانیت نے گو کہ اپنے سفر کا آغاز وحی و رسالت کی رہ نمائی میں کیا اور عرصہ تک جادۂ توحید پر گامزن رہی لیکن شرک کی بیماری اتنی کثیر الوقوع ہے کہ باوجود یہ کہ ہدایت کے سامان ہر اعتبار سے موجود رہتے ہیں لیکن انسان شرک کی مہلک بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ سارا مسئلہ شعور اور غفلت کا ہوتا ہے۔ شعور کی کیفیت مسلسل ریاض چاہتی ہے۔ یہ دراصل مسلسل چڑھائی کی طرح ہوتی ہے کہ ذرا ٹھہرے کہ خمول طاری ہو جاتا ہے۔ یہ خمول غفلت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور جہاں غفلت طاری ہوئی وہاں بلندیاں پستیوں میں بدل جاتی ہیں۔ غور و فکر اور اجتہاد کی جگہ تقلید اور رسوم و رواج کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ عزم و ہمت کی جگہ سہل انگاری اور پہلو تہی نیز عقیدہ کی جگہ عقیدت اور تحقیق و جستجو کی جگہ اوہام و خرافات لے لیتی ہیں۔ اس طرح زندگی کا حقیقی جوہر مر جاتا ہے اور اس کی جگہ ظاہری امور زندگی کی دلیل قرار پاتے ہیں۔

* قوموں کی زندگی میں یہی وہ مقام ہے جہاں وہ شیطان کا نرم چارہ بن جاتی ہیں۔ شیطان براہ راست کبھی یہ نہیں کہتا کہ آؤ شرک کرو۔ بلکہ ہمیشہ انسان کی طبعی کمزوریوں کو تاک کر وار کرتا ہے۔ پہلے انگلی پکڑتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ گردن پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ قوموں کی کمزور حالت میں بظاہر معقول اور معصوم طریقہ پر پیدا کئے گئے شر و فساد (خواہ وہ عقیدہ کا ہو یا عمل کا) سے بچنا اور اس کے گرداب سے باہر نکل آنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

* قومیں جب اس حال کو پہونچ جاتی ہیں تو اتمام حجت کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں فنا کر دیتا ہے۔

* قوموں کے عروج و زوال کا اصلی سبب ان کے عقیدہ و عمل سے وابستہ ہوتا ہے نہ کہ مادی وسائل و ذرائع سے۔

* جب جب دنیا میں اجتماعی بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالی اپنی رحمت سے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء ورسول بھیجتے ہیں۔

* اللہ کے رسولوں کی کامیابی کا معیار یہ نہیں کہ ان پر کتنے لوگ ایمان لائے۔ ان کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفوضہ ذمہ داری کو استقلال اور دل جمعی کے ساتھ شروع سے آخر تک ادا کرتے رہتے ہیں۔

* انبیاء کرام کی دعوت کے نتیجے میں لوگ دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک وہ جو ایمان لاتے ہیں دوسرے وہ جو کفر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی تقسیم نا قابل قبول ہوتی ہے۔ ایمان اور کفر کے علاوہ اخذ و ترک کا کوئی اور معیار نہیں رہ جاتا۔ اس لئے نبی کا بیٹا ہونا یا نبی کا باپ ہونا یا اس کے ساتھ کوئی اور قرابت داری بغیر ایمان کے مفید نہیں ہوتی۔

* انبیاء کی دعوتی جدوجہد کی تاریخ بتاتی ہے کہ شروع شروع میں ان پر ایمان لانے والے معاشرے کے کمزور غریب اور بے آسرا لوگ ہوتے ہیں۔ سربر آوردہ طبقہ۔ روساء اور متمول لوگ بالعموم مخالفت ہی کرتے ہیں۔

* حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے سلسلہ میں آپ کی عمر، آپ کی کشتی کی کیفیت کہ وہ کتنی لمبی اور کتنی چوڑی تھی وغیرہ نیز اس قصہ کی جزئیات و تفصیلات جو بالعموم مختلف تفاسیر میں موجود ہیں ان میں سے اکثر بہت زیادہ معتبر نہیں ہیں۔ عام طور پر یہ اہل کتاب کی روایتوں سے ماخوذ ہیں اسی لئے ان میں بہت سے اختلافات ہیں۔ ہمیں قرآن کے بیانات پر اکتفاء کرنا چاہئے اور زیادہ کرید میں نہ پڑنا چاہئے۔ ہماری نظر اس بات پر ہونی چاہئے کہ ان قصوں کو بیان کر کے قرآن ہمیں کیا سمجھانا چاہتا ہے۔